عقیدۂ رسالت کے عصری تقاضوں کا تحقیقی مطالعہ

Research Study of the Modern Requirements of the Doctrine of Prophet hood

* محمد اعجاز: پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف
**ڈاکٹر حافظ غلام انور الازہری: صدرِ شعبہ علوم اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف

ABSTRACT

One of the beliefs that Islam has emphasized on correcting before worship and deeds is the doctrine of Prophet hood. The doctrine of Prophet hood has a central place in the religion of Islam. Without it, no human being can become a Muslim. Although clarity and firmness regarding the doctrine of Prophet hood is essential in all periods, maturity in it is more important and necessary today than in previous periods. In modern times, the Shiraza of the Muslim Ummah has disintegrated, the people of a single city in one country have been divided into twenty parties, groups and sects. Nowadays, the scope of disagreement has become so wide that some sects and classes not only consider others as infidels and polytheists on the basis of their association with the Holy Prophet, but also consider it obligatory to kill them. There is a need to create thinking among the people about the doctrine of Prophet hood and to encourage them to follow the modern requirements of the doctrine of Prophet hood. The article under review has been written to meet this need.

Keywords:*Islam, Prophet hood, Muslim,Muslim Ummah,Religion of Islam.*

موضوعِ تحقیق کا تعارف، ضرورت و اہمیت اور اس کا پسِ منظر

دین اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں عقیدہ کو بنیادی اور اساسی مقام حاصل ہے۔ویسے تو اسلام عقیدہ اور عمل دونوں کا نام ہے لیکن ددست عقیدہ کے بغیر عمل قابل قبول نہیں ہوتا۔اس لیے عقیدہ کی اہمیت عمل کی بانسبت زیادہ ہو جاتی ہے ۔ عقیدہ کو بیج کی مانند قرار دیا گیا ہے اور عمل کو پھل کی مانند۔ بیج کے بغیر پھل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لھذا اعمال صالحہ اور عبادات سے پہلے درست عقیدہ کا پایا جانا ضروری ہے، عقیدہ کو درست اور صحیح کیے بغیر عمل کی کوئی حیثیت

نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بندہ مسلمان ہوتا ہے تو اعمال صالحہ اور عبادات سے پہلے توحید و رسالت اور عقائد کی پہچان لازمی ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے اہل مکہ کو توحید و رسالت ایسے عقائد کی طرف بلایا، عبادات و معاملات کو درست کرنے کی انھیں پہلے دعوت نہیں دی۔ اس پس منظر میں یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ جب بندے کا عقیدہ اسلام کے تابع ہو جاتا ہے تو عبادات و معاملات میں بھی دینِ اسلام کی پیروی و اتباع آسان ہو جاتی ہے۔ عقیدۂ رسالت سے متعلق واضحیت اور اس پر مضبوطی اگرچہ تمام ادوار میں اشد ضروری ہے لیکن دور حاضر میں اس پر پختگی سابقہ ادوار سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ دور حاضر میں امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ایک ملک کے ایک ہی شہر کے لوگ بیسیوں جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ دورِ حاضر میں اختلاف کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ بعض مسالک اور طبقات دوسروں کو حضور ﷺ سے تعلق کی بناء پر نہ صرف کافر و مشرک قرار دیتے ہیں بلکہ واجب القتل بھی سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام الناس کو قرآن و سنت کی روشنی میں عقیدہ رسالت کی ایسی فکری واضحیت دی جائے کہ امت کے باہمی اختلافات دور ہو جائیں اور دل ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔ نیز عقیدہ رسالت کے عصری تقاضوں کو بیان کیا جائے تاکہ عقیدہ رسالت کو درست کرنے کے ساتھ ساتھ ہم اس کے تقاضوں کو بھی کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اسی مقصد کے لیے زیر نظر مضمون تحریر کیا گیا ہے۔

عقیدہ رسالت کا مفہوم

"عقیدہ" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے حروفِ اصلیہ "ع، ق اور د" ہیں، یہ عقد سے مشتق ہے، ثلاثی مجرد کے "ضَرَبَ اور سَمِعَ" دو ابواب سے آتا ہے[1] اور یہ گرہ لگانا، پکا کرنا، معاہدہ کرنا، ضامن ہونا، گاڑھا ہونا، غضب ناک ہونا، رئیس بنانا، گرہ دار زبان والا ہونا، زبان کے رکنے[2]، مضبوطی اور قوت کے ساتھ کسی چیز سے منسلک ہو جانا، کسی چیز کو مضبوط اور پختہ کرنا، مضبوطی سے پکڑنا، مرتب کرنا ایسے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ "عقد الحبل" کا مطلب "رسی کو گرہ لگانا اور مضبوط کرنا"، "عقد العهد والبيع" کا مطلب "اس نے عہد اور بیع کو مضبوط کیا" اور "عقد الازار" کا مطلب "ازار کو مضبوط باندھنا" ہے۔[3] اصطلاح میں عقیدہ سے مراد وہ پختہ اعتقاد ہے جو شک یا گمان کو قبول نہ کرے۔ لھذا وہ علم جو پختہ

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر، بیروت، س ن)، ۲۹۶/۳۔۲۹۹

Ibn e Manzoor ,Muhammad Bin Mukarram, Lisan Ul Arab(Dar e Sadar,Beroot),3/296-299

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، ۲۹۶/۳۔۲۹۹

Ibn e Manzoor ,Lisan Ul Arab,3/299

[3] ابن منظور، لسان العرب، ۲۹۶/۳

یقین کے درجہ تک نہ پہنچ سکے اس کو عقیدہ نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح جب کوئی اعتقاد واقع اور حق کے مطابق نہ ہو اور نہ اس پر کوئی دلیل ہو تو اس کو عقیدہ صحیحہ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس کو عقیدہ فاسدہ کہا جائے گا جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق الوہیت اور تثلیث کا عقیدہ رکھتے تھے۔ [1] رسول کے حروف اصلی "ر، س، ل" ہیں۔ جس کے معنی "بالوں کا سیاہ لٹکا ہوا ہونا اور اونٹ کا نرم چال والا ہونا" ہیں۔ جب اس کو باب افعال پر لے جایا جائے گا تو اس وقت یہ "بھیجنا، چھوڑنا، بلا قید بولنا، مسلط کرنا، پیغام کے ساتھ بھیجنا اور اپنے قول کو ضرب المثل بنانا" کے معانی میں استعمال ہو گا۔ اسی سے ایک لفظ "رسالت" آتا ہے جس کے معنی پیغام اور پیغامبری خط کے آتے ہیں۔ لفظ رسول "بھیجا ہوا، پیغام بر اور پیغامبری" کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ [2] اور اصطلاح میں رسول ایسا انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ [3]

عقیدہ رسالت کے عصری تقاضے

نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانا جائے۔ پیغمبر پر یہ ایمان محض کوئی نظر اور علمی چیز نہیں ہے۔ خدا پر ایمان کی طرح اس کے بھی کچھ بدیہی تقاضے ہیں۔ یہ تقاضے اگر پورے نہیں جا رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ایمان کا نام دیا جا رہا ہے، وہ حقیقت میں ایمان ہی نہیں یا اس کا دعویٰ کرنے والا اس کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف نہیں۔ قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی رو سے آپ ﷺ پر ایمان لانے کے نتیجے میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

ا۔ صدق دل سے تصدیق

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی پہلی نوعیت یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس ایمان کے دو درجے ہیں اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔ زبان سے اس بات اقرار کیا جائے کہ

Ibn e Manzoor ,Lisan Ul Arab,3/299

[1] عثمان جمعة ضميرية، مدخل لدراسة العقيدة الاسلامية (مكتبة السوادي للتوزيع، ۱۹۹۹م)، ص: ۱۲۲

Usman Jumat u Zameeria,Madkhal Li Darasat el Aqeeda el Islamia(Maktaba Al Sawadi,1999),P:122

[2] ابن منظور، لسان العرب، ۳۵۵/۶

Ibn e Manzoor ,Lisan Ul Arab,3/299

[3] الجرجانی، التعریفات (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ص: ۳۰

Al-Jurjani,Al-Tareefat(Maktaba Rehmania,Lahore),P:30

نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور دل سے اس بات کی تصدیق کی جائے۔ اگر کسی نے زبان سے تو اس بات کا اقرار کیا لیکن دل سے اس کی تصدیق نہ کی تو اسے ایمان نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے نفاق کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے منافقین زبان سے تو نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے تھے بلکہ نمازیں بھی پڑھتے اور زکوۃ بھی ادا کرتے لیکن اُن کا دل نور ایمان سے خالی تھا۔ اسی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ قرار پایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔[1]

"بے شک منافق جہنم کے سب سے نیچے والے درجہ میں ہوں گے۔"

منافقین اپنے سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں داخل کیے جائیں گے۔ جنت میں درجے ہوں گے جو کہ ایک دوسرے سے بلند ہوں گے جبکہ جہنم میں درک ہوں گے جو کہ ایک دوسرے سے پست ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھلستے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور ہر طرف سے بند ہوں گے، اور کوئی بھی ان کی کسی طریقے سے مدد نہیں کرے گا کہ ان کو جہنم سے نکال سکے یا ان کے عذابوں میں کسی طریقے سے کمی کر سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں، نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں، پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال کے لیے تیار ہو جائیں، ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں، اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انھیں سچے مومنوں میں داخل فرمالے گا اور انھیں بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔[2] اس پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ زبان کے اقرار کے ساتھ ساتھ دل سے تصدیق کرنا بھی ایمان کے لیے ضروری ہے۔

---

[1] سورۃ النساء ۴: ۱۴۵

Sourat ul Nisa4:145

[2] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن)، ۱/۸۰۶

Ibn e Kaseer ,Abu ul Fida Ismaeel bin Umar,Tafseer ul Quran el Azeem(Dar ul Kutab El Ilmia, Beroot),1/806

اسی طرح اگر کوئی دل سے تصدیق تو کرے لیکن اپنی زبان سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار نہ کرے تو ایسا شخص بھی کافر قرار پاتا ہے۔

۲۔ توقیر و تعظیم

ایمان کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا توقیر و تعظیم ہے۔جب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یقین حاصل ہو گیا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل سچ ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کا فطری نتیجہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادب و احترام ہے۔قرآن کریم میں اس ادب و احترام کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَه بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔[1]

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور نہ تم اونچی آواز سے اُن کے ساتھ بات کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو یہ کہیں تمھارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔"

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ آپ ﷺ سے زور سے گفتگو کرتے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔جب بنو تمیم کا وفد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس نبی اکرم ﷺ کے سامنے اونچی آواز میں بات کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمادیا کہ اے ایمان والو! یعنی اے ثابت! تم اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ ﷺ سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر کھل کر بولا کرتے ہو۔ بلکہ توقیر و تعظیم کے ساتھ آپ کہہ کر مخاطب کیا کرو، یا نبی اللہ، یا رسول اللہ وغیرہ الفاظ سے مخاطب کرو۔ یوں نہ ہو کہ کبھی ترک ادب و احترام کی وجہ سے تمہارے نیک اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں ان کے برباد ہونے کی خبر بھی نہ ہو۔[2] ایک روایت کے مطابق یہ آیت کریمہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔حضرت ابن

---

[1] سورۃ الحجرات ۴۹: ۲

Sourat ul Hujurat49:2

[2] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھا، تفسیر ابن عباس (دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن)، ۲۶۸/۳

Abdullah Bin Abbas RA,Tafseer Ibn e Abbas(Dar ul Kutab al Ilmia, Beroot),3/268

ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ دو بہترین ہستیاں ہلاک ہو جائیں یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ان دونوں کی آوازیں نبی اکرم ﷺ کے سامنے اونچی ہو گئیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس طرح نبی اکرم ﷺ سے نرم اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔[1] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق آتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! اب تو میں آپ سے ایسے باتوں کروں گا جس طرح کوئی سرگوشے کر رہا ہے۔[2] اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کئی روز تک نبی اکرم ﷺ کی مجلس مبارک میں نظر نہ آئے ،اس پر ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ! میں اس سے متعلق آپ سے عرض کروں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہیں، پوچھا کیا حال ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ برا حال ہے۔ میں تو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کیا کرتا تھا، میرے اعمال ضائع ہو گئے اور میں جہنمی ہو گیا۔ اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سارا واقعہ سنا دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو ایک بشارت دے کر دوبارہ حضرت ثابت بن قیس کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہو کہ تم جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہو۔[3] امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کی مسجد نبوی میں آوازوں کو بلند ہوتے دیکھا تو ان سے فرمایا تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا کہ طائف کے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔[4] علمائے کرام کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے روضہ مبارک کے قریب بھی بلند آواز کے ساتھ بات کرنا مکروہ ہے جیسے آپ ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں آپ ﷺ کے سامنے مکروہ تھا۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی ظاہری حیات میں جس طرح

---

[1] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۵۶۶/۲
Al-Bukhari,Muhammad Bin Ismaeel,Al-Jame Al-Saheeh,Kitab ul Tafseer,Bab La Tarfoo(Maktaba Rehmania,Lahore),2/566

[2] حاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین (دار الکتب العلمیہ بیروت،۲۰۱۱م) ، ۴۶۲/۲
Hakim, Muhammad Bin Abdullah,Al-Mustadrak Ala Sahehain(Dar ul Kutab Al Ilmia, Beroot),2/462

[3] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ ، ۵۶۶/۲
Al-Bukhari ,Al-Jame Al-Saheeh,Kitab ul Tafseer,Bab La Tarfoo,2/566

[4] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب رفع الصوت فی المسجد، ۱۵۶/۱
Al-Bukhari ,Al-Jame Al-Saheeh,Kitab ul Salat,Bab Raf el Sout fi al masjid,1/156

قابل احترام و عزت تھے اسی طرح اب اور ہمیشہ کے لیے قابل عزت واحترام رہیں گے۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے جس طرح عام لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، باتیں کرنا منع فرمائیں بلکہ آپ ﷺ سے تسکین و وقار، عزت و ادب اور حرمت و عظمت سے باتیں کرنی چاہییں۔ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بلند آواز کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت حضور ﷺ ناراض ہو جائیں اور آپ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے اور تمھارے سارے اعمال ضبط کرلے اور تمہیں اس کا پتا بھی نہ چلے۔[1] ایک روایت میں آتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ اتنا پسند آتا ہے کہ وہ ایک کلمہ کی وجہ سے جنتی ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا کوئی کلمہ کہہ دیتا ہے کہ اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے جہنم کے اس قدر نیچے کے طبقہ میں پہنچا دیتا ہے جو گڑھا زمین و آسمان سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔[2]

۳۔ نصرت رسول ﷺ

جو شخص نبی اکرم ﷺ پر ایمان لایا، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ میں آپ ﷺ کا دست و بازو بنے۔ جہاں نبی اکرم ﷺ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانا فخر کی بات سمجھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِه وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِى اُنْزِلَ مَعَه اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[3]

"جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور جنھوں نے آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کی اور جنھوں نے آپ ﷺ کی مدد کی اور جنھوں اس روشنی کی پیروی کی جو آپ ﷺ کے ساتھ نازل کی، یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اہل کتاب تکبر کرکے کہنے لگے کہ ہم اہل تقویٰ اور اہل کتاب ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خارج کرکے فرمایا کہ میری رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو محمد ﷺ کے دین کی پیروی کرتے ہیں، آپ انھیں توحید اور احسان کا حکم دیتے اور کفر و شرک سے روکتے ہیں اور جن چیزوں کو قرآن کریم میں حلال کیا گیا ہے اس کو اُن کے سامنے بیان کرتے ہیں جیسے اونٹ کا

---

[1] ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ۸۹/۵۔۹۰

Ibn e Kaseer,Tafseer ul Quran el Azeem,5/90

[2] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ۶۱۵/۲

Al-Bukhari ,Al-Jame Al-Saheeh,Kitab ul Riq,Bab Hifz el Lisan,2/615

[3] سورۃ الاعراف ۷: ۱۵۷

Sourat ul Araf7:157

گوشت اور اس کا دودھ اور گائے اور بکری کی چربی وغیرہ۔ آپ ﷺ مردار، خون اور سور کا گوشت وغیرہ کا حرام ہونا ان کے سامنے بیان کرتے ہیں اور جو ان لوگوں پر عہد کرتے تھے کہ جن کے توڑنے کی وجہ سے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، ان کو دور کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لاتے اور جان و تلوار سے آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور قرآن کریم کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں، ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔[1]

۴۔ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی ہدایت/رہنمائی کی پیروی کی جائے

نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان لانے کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ اس نور ہدایت کی پیروی کی جائے جو آپ ﷺ پر اترا ہے۔ قرآن کریم کی پیروی سے متعلق ارشاد گرامی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔[2]

دین الٰہی اور کتاب خداوندی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور اسلام کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جاہلیت میں تم کس طرح باہم دشمن تھے پھر دین اسلام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔[3] یہاں رسی سے مراد قرآن کریم ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔[4] ایک روایت میں ہے کہ کتاب اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے۔[5] ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے، یہ ظاہر نور ہے یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے، اس پر عمل کرنے والے کے لیے یہ بچاو ہے، اسکی

---

[1] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھا، تفسیر ابن عباس، ۱/۴۶۲
Abdullah Bin Abbas RA,Tafseer Ibn e Abbas,1/462

[2] سورۃ آل عمران ۳: ۱۰۳

[3] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھا، تفسیر ابن عباس، ۱/۲۶۸
Abdullah Bin Abbas RA,Tafseer Ibn e Abbas,1/268

[4] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۲/۱۳۴
Al-Tirmzi,Muhammmad Bin esa,Al-Jame,Kitab Fazail el Quran ,Bab Ma ja Fi Fazal Quran(Maktaba Rehmania,Lahore),2/134

[5] ابو یعلی، المسند (دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱م)، ۱/۳۵۵
Abu Yala,Al-Musnad(Dar ul Kutab Ilmia, Beroot,2001),1/255

تابعداری کرنے والے کے لیے یہ نجات ہے۔[1] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان راستوں میں تو شے اطین چل پھر رہے ہیں تم رب کے راستے پر آ جاو، تم اللہ تعالی کی رسی کو مضبوط تھام لو، وہ رسی قرآن کریم ہے۔[2] اس پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی کی مضبوط رسی ہے۔ جس آدمی نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے تقاضوں میں سے ایک بات ضروری ہے کہ قرآن کریم کی پیروی کی جائے۔

۵۔ اعتماد

نبی اکرم ﷺ پر ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر کامل اعتماد ہونا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں یہ اعتماد ہی دراصل آپ ﷺ پر سچے ایمان کا حتمی ثبوت ہے۔ یہاں البتہ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہی اعتماد محض اعلان و اقرار کی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ جہاں کہیں بھی پایا جائے گا، اس کے واضح آثار انسان کے عمل اور اس کے رویے میں ظاہر ہوں گے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں، آپ ﷺ پر ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فیصلوں کو نہ صرف یہ کہ مانا جائے بلکہ ان کے بارے میں دل میں یہ کھٹک بھی پیدا نہ ہو کہ ان میں حق اور انصاف سے ہٹ کر کوئی بات کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[3]

"آپ کے رب کی قسم! وہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپ ﷺ کو منصف نہ مان لیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی خوشی قبول کر لیں۔"

دوسرے مقام پر مزید ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] دارمی، السنن (دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸ء)، ۴۳۱/۲

Darmi,Al-Sunan(Dar e Fikr,Beroot,1998),2/431

[2] دارمی، السنن، ۴۳۱/۲

Darmi,Al-Sunan,2/431

[3] سورۃ النساء ۴: ۶۵

Sourat Ul Nisa4/65

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا۔[1]

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کا کام حکم دیں تو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ صریح اور واضح گمراہ ہو گیا۔ "

آپ ﷺ کی آراء اور آپ ﷺ کی عدالت کے بارے میں یہ یقین دل میں پیدا ہو جائے کہ آپ ﷺ نے کوئی فیصلہ جانب داری اور بے انصافی سے نہیں کیا۔ ایک موقع پر جب مالِ فی کی تقسیم کے بارے میں کچھ لوگوں کے دلوں میں اعتراض پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔[2]

"اور جو رسول ﷺ تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔"

دوسرے مقام پر سچے مومنوں کے رویے کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِه لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[3]

" مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور وہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جس شخص کی ذات پر عدل و انصاف کے معاملے میں اعتماد نہیں ہو گا اس کے بارے میں دین کے ابلاغ جیسے اہم معاملے میں بدرجہ اولیٰ بے اعتمادی پیدا ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو ہم اللہ تعالیٰ کا سچا نبی اور اس زمین پر اس کا مقرر کردہ نمائندہ مانتے ہیں، اس کی ذات اور شخصیت پر کامل اور غیر متزلزل اعتماد، اس پر ایمان کا ایک لازمی تقاضا ہے

---

[1] سورۃ الاحزاب ۳۳:۳۶

Sourat ul Ahzab 33/36

[2] سورۃ الحشر ۵۹:۷

Sourat ul Hashar59/7

[3] سورۃ النور ۲۴:۵۱

Sourat ul Noor 24/51

۔ یہ اعتماد صرف قانون و شریعت کے دائرہ تک ہی محدود نہیں ہے۔ اسی اعتماد کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلنا چاہیے کہ خدا کی معرفت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جو طریقہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے ایک بندہ مومن کو معلوم ہوا ہے وہ اس پر اپنے دل کی گہرائیوں سے اعتماد کرتا اور اس معاملے میں اپنے آپ کو ہر قسم کے اضافے سے بے نیاز سمجھتا ہو ۔اس کی نظر میں کسی حکیم، کسی فلسفی، کسی صوفی اور کسی بڑے سے بڑے عالم اور بزرگ کی تعلیمات اور فرمودات کی بھی آپ کی تعلیمات کے مقابل میں یا ان کے ساتھ ساتھ دین میں کوئی حیثیت نہ ہو۔

۶۔ خیر خواہی

نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا ایک تقاضا آپ ﷺ کی خیر خواہی ہے۔ انسان جب حقیقت میں آخرت کی کامیابی کو اپنا ہدف بنا لیتا ہے تو اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی شخصیت میں دوسروں کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔ یہ عنصر فطری طور پر سب سے بڑھ کر اسی کے لیے ہوتا ہے جس کی انسان پر سب سے زیادہ عنایتیں ہیں ۔ وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا خیر خواہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے والدین اور اعزہ و اقارب کا، اپنے اہل محلّہ کا، اپنے ہم وطنوں کا اور اپنے جیسے دوسرے تمام انسانوں کا خیر خواہ بن جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ۔[1]

"دین خیر خواہی اور خلوص کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا کس کے لیے ؟آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ ، مسلم حکمرانوں اور سب مسلمانوں کے لیے۔"

نبی اکرم ﷺ کی خیر خواہی میں ایک طرف یہ بات شامل ہے کہ آپ ﷺ نے خدا کے دین اور اس کی ابدی ہدایت کی جو گراں قدر نعمت ہم تک پہنچائی، ہم اس کے لیے آپ ﷺ کے احسان مند ہیں۔ ہمارے قول اور عمل میں یہ احسان مندی نظر آئے۔ ہم اس ہدایت کی قدر کریں، اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کریں اور ہماری زبان اپنے محسن کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی دعا سے تر رہے۔ قرآن کریم میں ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اگر سچے اہل ایمان کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا چاہتے ہیں تو انھیں اپنے قول و عمل سے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانے کے بجائے ان کے لیے خدا کی رحمتوں کی دعا کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

---

[1] القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/۷۸
Al-Qushairi,Muslim Bin Hajjaj,Al-Jame Al-Saheeh,Kitab Iman,Bab Al-Deen Naseehat),1/78

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے جس دعا کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے نبی اکرم ﷺ اس دعا کے ہر گز محتاج نہیں ہیں۔ ہماری طرف سے پیغمبر ﷺ کے حق میں دعا پیغمبر کی نہیں بلکہ ہماری اشد ضرورت ہے۔ یہ ہماری طرف سے احسان مندی کا اعتراف اور نبی اکرم ﷺ کے لیے خیر خواہی اور اپنے دلی جذبات کا اظہار ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی خیر خواہی کا دوسرا پہلو آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی خیر خواہی ہے۔ دین کی خیر خواہی کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب جو آپ ﷺ کے دین کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں اس دین پر عمل کرنے اور اسے سر بلند کرنے کا درد اپنے دلوں میں پیدا کریں۔ ہمارا کوئی قول و فعل ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اس دین کی اور اسے لانے والے کی بدنامی ہو۔ ہمیں ہر کام کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینی چاہیے کہ دنیا ہمیں محمد عربی ﷺ کا پیرو سمجھتی اور اسی حیثیت سے ہمیں پہچانتی ہے۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں دنیا ہمیں اسی دین کا نمائندہ سمجھتی ہے جس کی دعوت نبی اکرم ﷺ نے دنیا کو دی تھی۔ اس وجہ سے ہمارا کوئی قول و فعل ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کے باعث دینِ اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات پر کوئی حرف آئے۔ ہمیں اچھی طرح سوچ کر دو میں سے ایک فیصلہ کرنا چاہیے یا ہم پورے شعور کے ساتھ وہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کریں جو قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں ایک سچے مسلمان کی پہچان کے طور پر بیان ہوا ہے، اور یا اپنے بارے میں مسلمان اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیروکار ہونے کے دعوے سے کنارہ کش ہو جائیں۔

۷۔ محبت

نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کا ایک تقاضا آپ ﷺ سے محبت کرنا ہے۔ اس حوالے سے ارشاد گرامی ہے:

---

[1] سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۶

Sourat ul Ahzab 33:56

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔[1]

"فرمادیں اگر تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری، وہ مال جو تم کماتے ہو، وہ تجارت جس کے خسارے کا تمہیں ڈر ہے اور گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت عطا نہیں فرماتا۔"

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کسی چیز کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ عزیز و محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے سامنے جب دو بالکل متضاد مطالبے آئیں، ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطالبہ ہو، دوسری طرف مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کی محبت کا مطالبہ اور آدمی خدا اور اس کے رسول ﷺ کے کے مطالبے کو نظر انداز کر کے دوسری چیز کے مطالبے کو ترجیح دے دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ اس کو وہ چیز محبوب ہے اور اگر اس کے برعکس وہ اس چیز کے مطالبے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مطالبے کو مقدم رکھے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے یہ محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کے بغیر کا دعویٰ ایمان معتبر نہیں ہے اور یہ محبت الٰہی کے جانچنے کے لیے ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روز مرہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کو جانچ سکتا ہے۔[2]

نبی اکرم ﷺ پر ایمان کے اسی تقاضے کو واضح فرماتے ہوئے ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔[3]

"نبی اکرم ﷺ کا حق مومنوں پر خود ان کے اپنے مقابل میں اولیٰ ہے۔"

---

[1] سورۃ التوبۃ ۹: ۲۴

Sourat ul Touba9:24

[2] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن (فاران فاؤنڈیشن، لاہور، س ن)، ۳/۵۵۲

Islahi,Ameen Ahsan,Tadabur e Quran(Faran Faundation,Lahore),3/552

[3] سورۃ الاحزاب ۳۳: ۶

Sourat ul Ahzab 33:6

قرآن کریم کی نظر میں ایک بندہ مومن سے جو رویہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے احکام اور آپ ﷺ کے طریقے کو اپنی ذات کے مطالبات اور دنیا کی تمام مرغوبات پر ترجیح دے۔ اسی مفہوم کو ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ ، وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِیْ الْجَنَّة۔[1]

"جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ "

اسی حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا مزید ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔[2]

"تم میں سے اس وقت تک کوئی بھی مسلمان نہیں ہو سکتا جب میں اسے اس کی ذات، والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

دوسری روایت میں آتا ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ طَعْمَ الإِيمَانِ، مَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَمَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ كَانَ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ، أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ مِنْهُ۔[3]

"جس بندے میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان کا ذائقہ پالے گا جو شخص کسی سے دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہو جو بندہ آگ میں ڈالے جانے کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے سے زیادہ پسند رکھتا ہو بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات عطا کی۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اسی محبت کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی ایسے لوگوں کے ساتھ قلبی محبت کا کوئی تعلق نہیں رکھ سکتا جن کی خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی بالکل عیاں ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں متضاد

---

[1] الترمذی، الجامع، ۱۷۸/۲

Al-Rirmazi,Al-Jame,2/178

[2] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، ۲۰/۱

Al-Bukhari,Al-Jame Al-Sahee,Kitab Iman,Bab Hubb Rasool,1/20

[3] البخاری الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان خصال من اتصف بہن وجد حلاوۃ الایمان، ۱۲۲/۱

Al-Bukhari,Al-Jame Al-Sahee,Kitab Iman,Bab Bayan Khisal,1/122

محبتیں ہیں اور ان میں سے ایک کے تقاضے دوسری کے تقاضوں کی نقیض ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایمان کے دعوے کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ محبت و الفت کا تعلق موجود ہے تو قرآن کریم اسے نفاق کی ایک واضح علامت قرار دیتا ہے۔ سچے اہل ایمان کا رویہ واضح کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَلَوْ كَانُوا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[1]

"آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں گو کہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے، اور وہ انھیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی اللہ کا گروہ ہے، خبردار بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔ "

مولانا امین احسن اصلاحی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دین میں وہ ایمان یا وہ اطاعت معتبر نہیں ہے جس کی بنیاد محبت پر نہ ہو۔ ایسی اطاعت جس کی تہ میں محبت کا جذبہ کارفرمانہ ہو، بعض حالات میں محض نفاق ہوتی ہے۔ پھر محبت بھی محض رسمی اور ظاہری قسم کی مطلوب نہیں ہے، بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آجائے، جس کے مقابل میں عزیز رشتے اور محبوب سے محبوب تعلقات کی بھی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہ جائے، جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جاسکے لیکن خود اس کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا جاسکے۔[2]

۸۔احترام

نبی اکرم ﷺ پر ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آدمی دل سے آپ ﷺ کا احترام کرے۔ آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام کے حوالے سے قرآن کریم نے مختلف پہلوؤں سے وضاحت ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے یا آپ ﷺ کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کو ملحوظ رکھیں۔ ان میں ایک

---

[1] سورۃ المجادلۃ ۵۸: ۲۲

Sourat ul Mujadalah58:22

[2] اصلاحی، امین احسن، مولانا، تزکیہ نفس (ملک سنز، فیصل آباد، س ن)، ص: ۱۱۸

Islahi,Ameen Ahsan,Moulana,Tazkia Nafs(Malik Sons,Faisal abad),P:118

پہلو جسے قرآن کریم نے واضح فرمایا ہے، اس بات سے متعلق ہے کہ جب کسی معاملہ میں نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کو آواز دیں تو اس کے جواب میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَّا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔[1]

"رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو، اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر کھسک جاتے ہیں، سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آئے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔"

نبی اکرم ﷺ کے احترام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے دوسری بات یہ واضح فرمائی کہ آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بعض آداب ملحوظ رکھیں جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ- اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۔[2]

"اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور بلند آواز سے آپ ﷺ سے بات نہ کرو جیسے تم بلند آواز سے ایک دوسرے سے بات کرتے ہو، کہیں تمھارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔"

---

[1] سورۃ النور ۲۴: ۶۳

Sourat ul Noor24:63

[2] سورۃ الحجرات ۴۹: ۱۔۳

Sourat ul Hujurat49:1-3

ان آیات میں مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے کے معاملے میں دو تنبیہات کی گئی ہیں۔سب سے پہلی تنبیہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے اپنی رائے کو مقدم نہ کیا جائے۔اس حکم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں کہ یہ امر واضح رہے کہ یہاں ممانعت اللہ اور اس رسول ﷺ کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے میں پہل کرنے یا اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر مقدم کرنے کی ہے، نہ رسول ﷺ کے سامنے مجرد اپنی رائے کو پیش کرنے کی۔ نبی اکرم ﷺ امور مصلحت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی آراء معلوم بھی فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی رائے پیش بھی کرتے۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض اوقات عام امور مصلحت میں نبی اکرم ﷺ کے سامنے یہ بھی عرض کرتے کہ اگر حضور ﷺ کا فلاں اقدام وحی الٰہی پر مبنی نہ ہو تو اس کی جگہ فلاح تدبیر زیادہ قرین مصلحت رہے گی اور حضور ﷺ بعض اوقات ان کی رائیں قبول بھی فرمالیتے۔اس آیت کریمہ میں اس طرح کی باتوں کی نہی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ یہاں ممانعت اس بات کی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو ایک عام آدمی یا مجرد ایک لیڈر سمجھ کر اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مدبر خیال کرکے بغیر اسکے کہ حضور ﷺ اس سے کسی معاملہ میں اس کی رائے دریافت کریں، حضور ﷺ کو اپنی رائے سے متاثر کرنے اور اپنی رائے کو حضور ﷺ کی بات پر مقدم کرنے کی کوشش کرے۔اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کا رویہ دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اصلی مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے۔اللہ تعالیٰ کا رسول، اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ جو کچھ کہتا یا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کہتا یا کرتا ہے۔اگر کوئی شخص اس کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنے کی جسارت کرتا ہے تو دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مقدم کرنا چاہتا ہے۔[1]

دوسرے، اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی ہے جب وہ نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہوں تو مہذب اور شائستہ طریقے سے بات کریں، آپ ﷺ کے حضور میں آواز کو بلند کرنا کسی بھی طرح زیبا نہیں ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اسی اوپر والی بات کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ خناس سمایا ہوا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو مشورہ دینے کی پوزیشن میں میں ہیں یا جن کو یہ زعم ہو ان کا اسلام قبول کرلینا اسلام اور رسول ﷺ پر احسان ہے۔ان کا طرز خطاب اور اندازِ کلام رسول ﷺ

---

[1] اصلاحی، تدبر قران، ۷/۴۸۶۔۴۸۸

Islahi, Tadabur e Quran,7/486-488

کے آگے متواضعانہ و نیاز مندانہ نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ ان کے اس پندار کا اثر ان کی گفتگو سے نمایاں ہونا ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ یہ لوگ جب نبی اکرم ﷺ سے گفتگو کرتے تو ان کے اندازِ کلام سے یہ واضح ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے کچھ سیکھنے نہیں، بلکہ ان کو کچھ سکھانے اور بتانے آئے ہیں۔ چنانچہ جس طرح یہ اپنی رائے پیش کرنے میں سبقت کرتے، اسی طرح ان کی کوشش یہ بھی ہوتی کہ ان کی آواز نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند و بالا رہے اور اگر آپ ﷺ کو مخاطب کرتے تو ادب سے یا رسول اللہ کہنے کے بجائے یا محمد کہہ کر خطاب کرتے جس طرح اپنے برابر کے آدمی کو خطاب کیا جاتا ہے۔ یہاں ان کو ایک غیر مہذب طریقہ کلام و خطاب سے روکا گیا ہے، کیونکہ یہ چیز غمازی کر رہی تھی کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ نہیں پہچانا ہے، بلکہ ان کے اندر اپنی برتری کا وہ زعم بھی چھپا ہوا ہے جو بالآخر ان کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دینے والا ہے۔[1] اس پسِ منظر سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان لانے کا ایک تقاضا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا دل و جان سے احترام کیا جائے۔

خلاصۂ بحث

دینِ اسلام نے عبادات اور اعمال سے پہلے جن عقائد کو درست کرنے پر زور دیا ہے اُن میں سے ایک عقیدۂ رسالت ہے۔ عقیدۂ رسالت کو دینِ اسلام میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عقیدۂ رسالت سے متعلق واضحیت اور اس پر مضبوطی اگرچہ تمام ادوار میں اشد ضروری ہے لیکن دور حاضر میں اس پر پختگی سابقہ ادوار سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ دور حاضر میں امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ایک ملک کے ایک ہی شہر کے لوگ بیسیوں جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ دورِ حاضر میں اختلاف کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ بعض مسالک اور طبقات دوسروں کو حضور ﷺ سے تعلق کی بناء پر نہ صرف کافر و مشرک قرار دیتے ہیں بلکہ واجب القتل بھی سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عقیدۂ رسالت سے متعلق لوگوں میں سوچ پیدا کی جائے اور عقیدہ رسالت کے عصری تقاضوں پر عمل کرنے کی رغبت دلائی جائے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زیر نظر مضمون لکھا گیا ہے۔

مصادر و مراجع

[1] اصلاحی، تدبر قرآن، ۷/۴۸۸

Islahi, Tadabur e Quran,7/488

1.Ibn e Manzoor ,Muhammad Bin Mukarram, Lisan Ul Arab,Dar e Sadar,Beroot),

2.Usman Jumat u Zameeria,Madkhal Li Darasat el Aqeeda el Islamia,Maktaba Al Sawadi,1999

3.Al-Jurjani,Al-Tareefat,Maktaba Rehmania,Lahore

4.Ibn e Kaseer ,Abu ul Fida Ismaeel bin Umar,Tafseer ul Quran el Azeem,Dar ul Kutab El Ilmia, Beroot

5.Abdullah Bin Abbas RA,Tafseer Ibn e Abbas,Dar ul Kutab al Ilmia, Beroot

6.Al-Bukhari,Muhammad Bin Ismaeel,Al-Jame Al-Saheeh,Maktaba Rehmania,Lahore

7.Hakim, Muhammad Bin Abdullah,Al-Mustadrak Ala Sahehain,Dar ul Kutab Al Ilmia, Beroot

8.Al-Tirmzi,Muhammmad Bin esa,Al-Jame,Maktaba Rehmania,Lahore

9.Abu Yala,Al-Musnad,Dar ul Kutab Ilmia, Beroot,2001

10.Darmi,Al-Sunan,Dar e Fikr,Beroot,1998

12.Islahi,Ameen Ahsan,Tadabur e Quran,Faran Faundation,Lahore

13.Islahi,Ameen Ahsan,Moulana,Tazkia Nafs,Malik Sons,Faisal abad